مولانا عبدالرحیم چترالی (مرحوم)

عنایت اللہ فیضی

تحریک اسلامی کے دیرینہ رفیق جماعت اسلامی پاکستان کے مرکزی رہنما' جید عالم دین' شعلہ بیاں خطیب' جامعہ حدیقۃ العلوم المرکز الاسلامی پشاور کے مہتمم اور سابق ایم-این-اے مولانا عبدالرحیم چترالی ۱۷ نومبر ۱۹۹۶ کو لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور میں وفات پا گئے۔ آپ اکتوبر ۱۹۹۳ میں پاکستان اسلامی فرنٹ کے ٹکٹ پر چترال سے رکن اسمبلی منتخب ہوئے تھے۔ اپنی تین سالہ پارلیمانی زندگی میں جماعت اسلامی پاکستان کی پارلیمانی پارٹی میں انھوں نے اسلام کی سربلندی اور باطل قوتوں کی سرکوبی کے لیے ایوان کے اندر اور باہر نمایاں جدوجہد کی۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۶ کو اپنی وفات سے اکیس دن اور قومی اسمبلی کی تحلیل سے نو دن پہلے جماعت کی پارلیمانی پارٹی کے ہمراہ اپنی نشست سے مستعفی ہو گئے تھے۔

مولانا عبدالرحیم چترالی کا شمار جماعت اسلامی پاکستان کے نامور مرکزی رہنماؤں میں ہوتا تھا۔ وہ مولانا گلزار احمد مظاہری کی قیادت میں بننے والے اتحاد العلما پاکستان کے بانی اراکین میں سے تھے۔ اپنی سحر انگیز خطابت کی وجہ سے آپ کو عوام و خواص میں یکساں مقبولیت حاصل تھی۔ مجاہدین کی صفوں میں آپ کی بڑی عزت و تکریم تھی اور نجد و حجاز کے علما بھی آپ کی بے پناہ قدر کرتے تھے۔ آپ کی جدائی جماعت اسلامی پاکستان کے لیے بڑا صدمہ ہے۔ ملک کی سیاسی زندگی میں آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا' وہ ایک عرصے تک پر نہیں ہو سکے گا۔ علمی اور دینی حلقوں میں آپ کی کمی کو تادیر محسوس کیا جاتا رہے گا۔ مگر سب سے بڑا نقصان چترال کا ہے' جو اپنے سرپرست اور اپنی شناخت سے محروم ہو گیا ہے۔

مولانا عبدالرحیم چترالی ۱۹۴۲ میں چترال کے ایک خوب صورت گاؤں بروز میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان میر رئیسہ قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے جن کا پیشہ آبا سو پشت سے سپہ گری رہا ہے۔ ان کے اجداد حکومت' سفارت اور وزارت کے مناصب پر فائز رہے۔ مرحوم کو بچپن سے تحصیل علم کا شوق ہوا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ چترال کے ممتاز عالم دین مولانا عین القضاۃ بروز میں ان کے محلے گولرہ میں رہتے تھے اور شاہی مسجد سے ملحق دارالعلوم اسلامیہ میں پڑھاتے تھے۔ مگر اس بچے کے دل میں علم کی جو تڑپ تھی وہ اسے گھر بیٹھ کر پڑھنے نہیں دیتی تھی۔ اس لیے گھر سے نکلے اور صوبہ سرحد کے مختلف چھوٹے بڑے مدارس سے

ہوتے ہوئے پنج پیر صوابی میں شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ کے مدرسے میں پہنچ گئے۔ یوں وقت کے بہت بڑے عالم، مجاہد، مجدد اور فقیہ کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرنے کا موقع ملا لیکن بقول علامہ اقبال۔ "تسکین مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں"۔ آپ کی سیماب صفت طبیعت نے پنج میں رہتے ہوئے ۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور کا رخ کیا اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتب و رسائل سے استفادہ شروع کیا۔ آپ کے ہم جماعت پروفیسر سید عبدالجلال (گلگت) کا کہنا ہے کہ ہم لوگ مولانا مودودیؒ کا لٹریچر حضرت شیخ القرآن سے چھپاتے تھے لیکن مولانا عبدالرحیم نے اسے راز نہیں رہنے دیا۔ سرزنش ہوئی مگر تریاق نے اپنا اثر دکھایا۔ حضرت شیخ القرآن زیادہ دیر تک اپنے شاگرد اور مولانا مودودیؒ کے درمیان حائل نہ رہ سکے۔ ۱۹۶۹ کی سیاسی تحریک میں مولانا عبدالرحیم چترالی جماعت اسلامی کے ہراول دستے میں شامل ہو چکے تھے۔ ان دنوں جماعت کے تربیتی اجتماعات میں سرحد کے اکابر علما میں سے مولانا معین الدینؒ اپنے بے مثل حافظے کے ساتھ نرم اور دھیمے لہجے میں درس قرآن اور درس حدیث دیا کرتے تھے۔ کبھی کبھار مفتی سیاح الدینؒ کاکاخیل بھی یہ فریضہ انجام دیتے۔ مولانا عنایت الرحمٰن کا شمار متاخرین میں ہوتا تھا۔ مولانا گوہر رحمٰن کی خطابت کا ابھی نیا شہرہ تھا جب کہ مولانا عبدالرحیم اور مولانا محمد منیر "عشق بلاخیز" کے "قافلہ سخت جان" میں نئے نئے شامل ہوئے تھے۔

حصول تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا عبدالرحیم چترالی نے کریم پورہ پشاور کی ایک پرانی مسجد میں حدیقۃ العلوم کے نام سے اپنا مدرسہ قائم کیا۔ اور ڈبگری کی ایک مسجد میں خطابت کا فریضہ انجام دینے لگے۔ شہر میں مستقل قیام کے بعد جماعت کے شہری نظم سے وابستہ ہوئے اور انہماک کے ساتھ فریضہ اقامت دین کے لیے کام کرنے لگے۔ سردار گڑھی میں المرکز الاسلامی کی تعمیر کے بعد مدرسے کو شہر سے باہر منتقل کیا۔ دو بار پشاور کے امیر منتخب ہوئے، صوبائی اور مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ مارچ ۱۹۷۷ کے عام انتخابات کے لیے انھیں چترال سے قومی اسمبلی کا ٹکٹ دیا گیا۔ اس الیکشن میں آپ پاکستان پیپلز پارٹی کی دھاندلی کا شکار ہوئے۔ ۱۹۸۵ کے غیر جماعتی انتخابات میں پھر چترال سے قومی اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لیا۔ اکتوبر ۱۹۹۳ کے عام انتخابات میں آپ نے قومی اسمبلی کی نشست جیت لی۔ ۵ نومبر ۹۶ کو بستر علالت پر آپ نے بے نظیر حکومت کے خاتمے کی خبر سنی۔ باطل کی اس قوت کو گرانے کی حکمت عملی میں وہ خود شریک رہے تھے اور جماعت کی "دھرنا پالیسی" میں ان کا بھی کسی حد تک ہاتھ تھا۔ یہ ان کے لیے زندگی کی آخری خوش گوار خبر تھی۔

مولانا مرحوم عمومی طور پر عالم اسلام اور خاص طور پر پاکستان کے اندر اسلامی تحریکوں کی کامیابی اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے بے قرار رہتے تھے۔ تاہم چترال کے مخصوص مسائل اور چترال کے اندر دعوت دین اور تحریک اسلامی کے کام پر ان کی خصوصی نظر تھی۔ چترال کی اسلامی شناخت سے انھیں خاص لگاؤ اور

شغف تھا۔ چترال کی تین الگ تھلگ وادیوں میں بسنے والے غیر مسلم کیلاش قبیلے کے جائز حقوق کا خیال رکھتے ہوئے چترال کے مرکزی قصبے میں جشن کے نام سے کیلاش لڑکیوں کے کھلے عام رقص کے خلاف انھوں نے منظم جدوجہد کر کے بے حیائی اور فحاشی کے اس دروازے کو بند کیا۔ اس غرض کے لیے انھوں نے ۱۹۷۶ میں مرشد چترال حضرت مولانا محمد مستجاب ؒ کی سرپرستی میں "انجمن تحفظ عصمت چترال" قائم کی۔ اور اس پلیٹ فارم سے کیلاش قبیلے کے سرکردہ رہنماؤں کو اس بات پر قائل کیا کہ ان کی بستی کے اندر قدیم دستور کے مطابق تہواروں پر اور خوشی، غمی کے موقع پر جو رقص و سرود ہوتا ہے وہ ان کی ثقافت کا حصہ ہے، مگر افسروں اور وزیروں کو خوش کرنے کے لیے اپنی عورتوں کو نمایش گاہ میں لے جانا، ان کی غیرت کے لیے چیلنج ہے اور یہ ان کی غربت اور جہالت و ناداری کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ چنانچہ انتظامیہ کو پھر ایسی حرکت کی جرات نہ ہوئی۔

مولانا کا علمی مقام بہت بلند، ان کا مشرب بہت وسیع اور ادبی ذوق بے حد شستہ تھا۔ تفسیری مباحث اور فقہی مسائل پر ان کی گہری نظر تھی۔ فن حدیث میں انھیں خصوصی مہارت حاصل تھی۔ جدید سائنسی انکشافات سے قرآن و حدیث کے بیان کردہ حقائق کی جس طرح تصدیق ہوتی ہے، اس پر مولانا کی خصوصی نظر تھی۔ فن خطابت میں پرزور لہجے کے قائل تھے۔ بات دو ٹوک کہتے تھے جو پر تاثیر ہوتی تھی۔ اور "از دل خیزد بردل ریزد" کا اثر رکھتی تھی۔ تقریر میں دلائل و براہین کے انبار لگا دیتے۔ آیات مبارکہ، احادیث شریفہ، آثار صحابہ، نظائر اور بصائر کو حسب حال اور موقع محل کی مناسبت سے اپنے خطبے میں موتیوں کی لڑی کی طرح پرونے کا فن انھیں خوب آتا تھا۔ جس موضوع پر بولتے اس کا حق ادا کر دیتے۔ عربی، اردو، پشتو اور مادری زبان کھوار میں بولنے پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ اپنے فن خطابت سے بپھرے ہوئے ہجوم کو مسخر کر لیتے تھے۔ ان کی علمی تربیت اور فکری نشوونما، پرورش و پرداخت، زمانے کی دو مایہ ناز ہستیوں کے زیر اثر ہوئی تھی۔ اس لیے شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہرؒ سے انھوں نے فنافی اللہ ہو کر توحید کی ترویج و اشاعت اور بدعات کے رد کے ساتھ اعلائے کلمۃ الحق کے لیے جان نثاری کا سبق سیکھا۔ اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے انھوں نے عصر حاضر میں اسلام کے عادلانہ سیاسی، سماجی اور اقتصادی و تعلیمی نظام کو نافذ کرنے کے لیے باطل کی قوتوں سے پورے زور اور تمام تر طاقت کے ساتھ ٹکراتے ہوئے جان کی بازی لگانے کا سلیقہ پایا۔

قدیم و جدید کے اس حسین امتزاج نے آپ کو شرک و بدعت، سوشلزم، کمیونزم، سرمایہ دارانہ نظام، الحاد، بے دینی، اسلام دشمنی اور تمام استحصالی قوتوں کے خلاف سینہ سپر ہونے کا بے پناہ حوصلہ دیا تھا۔ اس لیے ابتلاء و آزمایش کی مشکل سے مشکل گھڑی میں بھی ان کے پایہ استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ راہ حق میں آپ کو قید و بند کی صعوبتوں سے بھی واسطہ پڑا۔ ۱۹۷۶ میں چترال کے اندر کیلاش لڑکیوں کے کھلے عام رقص اور جشن کے نام پر فحاشی پھیلانے کے خلاف تحریک کی پاداش میں گرفتار ہوئے۔ ۱۹۷۷ میں پی۔این۔اے کی احتجاجی

تحریک کے نتیجے میں پابند سلاسل کیے گئے۔ ۱۹۸۲ میں چترال کے اندر فرقہ وارانہ کشیدگی کے دوران پس دیوار زندان بھیج دیے گئے۔ ۱۹۹۴ میں بے نظیر بھٹو کے دورہ چترال کے موقع پر وزیراعلیٰ سرحد کو زدوکوب کرنے کے جرم میں کمانڈو فورس نے آپ کو گرفتار کر کے حبس بے جا میں رکھا۔

مولانا عبدالرحیم چترالی کو پارلیمانی سیاست کا تجربہ زندگی کے آخری عشرے میں ہوا۔ وہ ۵۱ برس کی عمر میں رکن پارلیمنٹ منتخب ہوئے اور عمر عزیز کے آخری تین سال اس بت کدے میں اذان دیتے ہوئے گزارے۔ آپ نے اس حیثیت میں ایوان کے اندر سرگرم و فعال کردار ادا کیا۔ ایوان کی کارروائی میں آپ نے بھرپور حصہ لیا۔ تحاریک التوا، تحاریک استحقاق، توجہ دلاؤ نوٹس، نشان دار و غیر نشان دار سوالات کے علاوہ پوائنٹ آف آرڈر پر بولتے ہوئے آپ نے حکومت کا ہمیشہ بھرپور تعاقب کیا۔ نشہ اقتدار میں بدمست وزرا اور حکومتی پارٹی کے دیگر اراکین کے ساتھ آپ کی نوک جھونک اکثر اخبارات میں آتی رہتی تھی۔ ہر موقع پر مخالفین کی برمحل گرفت کرنے اور آواز اٹھانے میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اسلامی عقائد، شعائر اسلام، وطن عزیز کی سالمیت، اللہ جل شانہ کی حاکمیت، اور ملکی نظام حکومت کے بارے میں خلاف شرع بات کو وہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ مولانا کی بذلہ سنجی، حقیقت پسندی، صاف گوئی اور جرات مندی کی وجہ سے حزب اختلاف اور حزب اقتدار کے معتدل مزاج اراکین آپ کی بے حد قدر کرتے تھے۔ صحافتی حلقوں میں بھی آپ کی بے حد قدر و منزلت تھی۔

آپ کی حق گوئی کی پاداش میں بے نظیر حکومت نے آپ کے حلقے میں ترقیاتی کام رکوا دیے۔ اس پر آپ نے اگست ۱۹۹۵ میں اس ظلم اور امتیازی سلوک کے خلاف حلقہ کے عوام کو ساتھ لے کر پارلیمنٹ ہاؤس تک پرامن مارچ کیا اور ارکان پارلیمنٹ کے توسط سے سپیکر کو عرض داشت پیش کی۔ مگر حکومت کے غیرجمہوری طرز عمل میں سرمو فرق نہیں آیا۔ حلقہ انتخاب کے عوام نے بڑے بڑے جلسوں میں ہاتھ اٹھا کر آپ کو اختیار دیا تھا کہ عزت و ناموس اور ضمیر و خودی کا سودا کر کے ترقیاتی فنڈ لینے کے بجائے غیرت و حمیت کی پاسداری کر کے زنانہ، حکومت اور "باطل قوت" کے خلاف ڈٹ جائیں۔ چنانچہ اپنے ضمیر اور عوام کی توقعات کے مطابق آخر دم تک اس محاذ پر ڈٹے رہے۔

رزم حق و باطل میں فولاد کی طرح مضبوط کردار کا مالک ہونے کے باوصف حلقہ یاراں میں وہ بریشم کی طرح نرم تھے۔ طبیعت میں گداز تھا۔ مزاج میں شگفتگی اور فطرت میں بذلہ سنجی تھی۔ وہ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کی زندہ تصویر تھے۔ نکتہ آفرینی ان پر ختم ہوتی تھی۔ بات سے بات پیدا کرنے میں یکتا تھے اور ذو معنی الفاظ کے استعمال سے بات کو جامع بنانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ صاحب مطالعہ احباب کو آپ کی صحبت میں صحیح معنوں میں لطف آتا تھا۔ آپ کے استاذ گرامی مفتی محمد یوسفؒ آپ کے مدرسے میں پڑھاتے اور اکثر آپ کی مجلس میں تشریف فرما ہوتے۔ آپ ان کی بے حد عزت و تکریم کرتے اور وہ آپ کی گفتگو کا

لطف اٹھاتے۔ ایک بار ایک عرب مہمان بھی مجلس میں موجود تھا۔ رات گئے دیر تک کھوار اور پشتو میں باتیں ہوتی رہیں۔ باتوں باتوں میں فرمانے لگے، آؤ، کتاب مرتب کرتے ہیں جس کا نام ہو: کتاب امزجۃ لا صدقاء محفل میں شریک علما نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق دوستوں کے مزاج کے حوالے سے عربی کے نامانوس جملے کہے۔ آپ نے ہر ایک کو داد دی۔ پھر ہر دوست کے بارے میں آیات قرآنی، احادیث مبارکہ اور عربی مثال کی مدد سے جانے پہچانے الفاظ میں ایسے ایسے برجستہ اور برمحل جملے کہے کہ حاضرین عش عش کر اٹھے۔ کسی کے مزاج کو "عذب فرات" کہا، کسی کو "ملح اجاج" قرار دیا، کسی کو اکل و شرب کا پہلوان ٹھہرایا اور کسی کو حرب و ضرب کا مرد میدان کہا۔ الغرض سب کو ان کے مزاج اور افتاد طبع کے مطابق مقبول اور معروف نام دیے۔ محفل زعفران زار بن گئی۔

آپ کے مشرب کی طرح آپ کا دسترخوان بھی بڑا وسیع تھا۔ پوری عمر سوچ سمجھ کر مجرد زندگی گزاری۔ بھتیجوں اور بھانجوں کو اولاد کی طرح پالا۔ ہزاروں شاگردوں اور لاکھوں مداحوں کو اعزہ و اقربا کے ہمراہ سوگوار چھوڑ گئے۔

مولانا عبدالرحیم چترالی عمر بھر طاغوتی قوتوں کے خلاف اردو محاورے کے مطابق "بے جگری" سے لڑتے رہے۔ زندگی کے آخری ایام میں مرض الموت کی تشخیص ہوئی تو معلوم ہوا کہ ان کے جگر میں موذی مرض نے گھر کر لیا تھا۔ اور وہ محض محاورتاً نہیں، فی الواقع "بے جگری" سے یہ چومکھی لڑائی لڑ رہے تھے۔ اس عالم میں بھی وسط ستمبر تک سرگرم و فعال رہے۔ پھر صاحب فراش ہوئے۔ وفات سے پہلے کاغذ، قلم منگوا کر اوپر کلمہ طیبہ اور نیچے "اسلام" اپنے ہاتھ سے لکھا۔ یوں دنیا میں آنکھ کھولتے ہی اذان محمدیؐ کی صورت میں پہلی بار جو الفاظ آپ نے سنے تھے، راہی ملک عدم ہوتے ہوئے آنکھیں بند ہونے سے پہلے وہی الفاظ آپ کی آخری تحریر میں آئے اور آنکھیں بند ہونے تک پیش نظر رہے۔ اور آپ نے اسی ورد و ذکر کی کیفیت و حالت میں جان عزیز، جان آفرین کے سپرد کی۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما